© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی اصول قانون اور عصر حاضر

از

ڈاکٹر سیّد حامد حسن بلگرامی رئیس الجامعہ، جامعہ اسلامیہ
بہاول پور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوانینِ اسلام کی بنیاد کتاب وسنّت ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ (آل عمران)

کہہ دیجیے، لوگو تم اطاعت کرو اللہ اور رسول کی، پس اگر وہ روگردانی کریں، تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

اما بعد، فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهُدٰى هَدْىُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اما بعد:۔ بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی اصول قانون اور عصر حاضر

معاشرتی، قومی اور عالمی سطح پر انسانی حقوق اور اخلاقی اقدار کی پامالی وہ حقیقت ہے جس نے وقت کے ماہرین قانون کو اس بات کی طرف شدت سے متوجہ کر دیا ہے کہ موجودہ وقت کا قانون مقصد قانون کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ آج دنیا ایک عادلانہ اور متوازن فلسفۂ قانون کی اس سے کہیں زیادہ محتاج ہے جتنی ماضی کے کسی دور میں تھی۔

اس مسئلہ نے ہمارے وقت کے ماہرین قانون کی توجہ دیگر معاشرتی علوم کی طرح قانون کے ارتقاء و ابتداء کی طرف منعطف کر رکھی ہے تاکہ وہ قانون کا صحیح ماخذ اور مصدر معلوم کر سکیں۔ انسان کی نظریں ہمیشہ اپنے ماحول اور تاریخ پر پڑتی ہیں اور انہیں کے پیش نظر وہ استنباط کرنے پر مجبور ہے، اس نے دیکھا کہ تاریخ انسانی کے کسی دور میں انسان طمع، خود غرضی، رسم پرستی سے مبرا نہ رہا، اور ہر دور میں اس کا تدارک یا تو حکومت کی سختیوں یا عدالتوں کے ذریعہ کیا گیا یا اجتماعی رضامندی سے، چنانچہ انہوں نے وضع قانون کی چار بنیادیں متعین کیں۔

۱۔ افراد انسانی کا گروہ ۲۔ مرتبہ قواعد و ضوابط

۳۔ اجتماعی رضامندی ۴۔ حکومت کی منظوری اور عدالت کے ذریعہ نفاذ۔

لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عہد قدیم کے فلسفۂ قانون کے ضمن میں ادارہ قانون کی ابتداء کے لئے جن چار بنیادوں کو ہمارا موجودہ قانون ضروری قرار دیتا ہے، ان کے ساتھ چار مزید باتیں بھی ملحوظ ہیں۔ مثلاً

۱۔ یعنی اول کسی ایسے معاشرہ کا باہم متارب اور متخاصم فریقین میں بٹا ہوا ہونا۔

۲۔ قواعد و ضوابط کا ملکی رسم و رواج پر مبنی ہونا۔

۳۔ قوم میں یہ شعور کہ وہ رضامندی کی ذمہ داری محسوس کرے۔

۴۔ ایک حکومت جو ججوں اور ماہرین قانون کی ایک مشینری پہلے سے رکھتی ہو، تاکہ تسلیم کے ساتھ نفاذ کا کام بھی ہو سکے۔

اس عمل میں دیگر خرابیوں کو چھوڑ دیا جائے تو ہمارا اصول و فلسفۂ قانون کا ماہر "تقدم الشیئ علی نفسہ" اس لائحل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشکل میں گرفتار نظر آتا ہے جس میں فلاسفر یونان ہمیشہ گرفتار رہے تھے، وہی بالآخر ان کی موت پر منتج ہوا۔

بیسویں صدی کے ماہرین نے شدہ شدہ یہ دعاوی بھی دہرانا شروع کر دئے کہ اب قانون کی بنیاد رسم ورواج کے بجائے عالمگیر اصول مساوات انسانی اور رحم وعدل پر رکھی جا رہی ہے، لیکن مغرب کی متمدن دنیا جس میں یورپ بھی شامل ہے ان حضرات کے عالمگیر اصول مساوات، ان کی عدل گستری اور رحیمی وکریمی کوئی وہ راز نہیں جو طشت از بام نہ ہو چکا ہو، اور جو مزید بحث کا محتاج ہو۔ چنانچہ یہ طریقہ قانون سازی وہ ہے جس کی بنیاد محض فکر انسان اور انسانی کمزوری ہے۔

ہمارے معزز حاضرین جن میں بیشتر بحمد اللہ ماہر قانون اور مفکرین ہیں، وہ اس انداز فکر کے معائب اور محاسن سے مجھ سے کہیں زیادہ آگاہ ہیں۔ اس پر میرا کچھ عرض کرنا جسارت بے جا کے مترادف ہوگا، البتہ ایک دوسرا قانون وہ ہے، جو اسلام پیش کرتا ہے جس کے متعلق کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

اسلام میں شریعت و قانون ایک ازلی اور دائمی حقیقت ہے، جسے خالق کائنات جل مجدہ نے بتقاضا "ربوبیت" انسانی معاشرت ومعیشت کی بقاء کے لئے اس طرح ضروری اور لازمی ٹھہرایا، جس طرح اس کی مادی بقاء کے لئے یہ تمام کارخانۂ قدرت اور اس کے قدرتی ذرائع ہیں، اس لئے یہ قانون اپنے وجود میں کسی ارضی طاقت کی رضامندی اور منظوری کا محتاج نہیں۔ اسے اس ذات نے وجود بخشا ہے جو تمام کائنات کے وجود کا مالک ہے۔ اور اسی نے انسان کو اس قانون کی قوت نافذہ کا عہدہ دے کر دنیا میں اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا ہے۔ اس قانون کی تفصیلات معاشرتی و معاشی ارتقاء کے ساتھ ہر زمانہ میں تبدیل ہوتی رہیں، لیکن اس کا دستور ازل سے ابد تک ایک رہا ہے اور ایک رہے گا، اسی کو فرمایا:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا
الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسی وعیسٰی ان اقیموا
الدین ولا تتفرقوا فیہ "

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا ارتقاء موجودہ قانون کی طرح بے ہنگم، منتشر اور اکتا دینے والا نہیں، بلکہ وہ ایک ایسے دستور (دین) کی بنیاد پر ہوا ہے جو ازلی اور ابدی ہے۔ جو زمانہ کی گردش اور مکان کی حدود و تحدیدات سے ناآشنا ہے، اس میں انسانی زندگی کی طرح ایک وحدت اور ربط باہمی موجود ہے۔ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر اس طرح موقوف ہے اور باہم اس طرح مربوط ہے جس طرح بچپن کے ساتھ جوانی۔ وہ ہر دور میں اسی واحد اور یکتا دستور پر مبنی رہی ہے۔ اور عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ اور شریعت اسلام کو "اصل دین" کی طرح نقص سے مبرا اور پاک، کامل وہمہ گیر اور جامع و مانع صورت میں اتارا گیا ہے۔ اسی کو فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم
الاسلام دينا "

شریعت اسلام کسی ایک جماعت، ایک قبیلہ یا ایک گروہ کے لئے نہیں نہ ایک ملک اور ایک سلطنت ہی کے لئے ہے بلکہ وہ رب العالمین کا پیغام ہے، اور رنگ و نسل جغرافیائی حدود کے بغیر تمام نوع انسان کے لئے ہے خواہ ان کے رسوم و رواج اور تاریخی حالات کتنے مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ شریعت اپنی جامعیت میں انسانی زندگی کے تمام امور کو محیط ہے۔ خواہ وہ فرد کی زندگی سے متعلق ہوں یا جماعتوں اور سلطنتوں سے، خواہ ان کا تعلق معاملات سے ہو یا عبادات سے، خواہ حالت امن سے یا حالت جنگ۔

پھر قانون کے برخلاف شریعت زمانہ کے تغیرات کے ساتھ اپنی صداقت نہیں کھوتی کیونکہ "لا تبدیل لکلمات اللہ" یہ اللہ کا کلام ہے، اور موصوف کیطرح صفت زمانہ کے اثرات سے بالاتر ہے۔ اس کی نصوص اپنے اندر کچھ ایسی عمومیت اور لچک رکھتی ہیں کہ ہر نئی صورت حال کے بارے میں وہ قطعی اور اٹل فیصلہ دیتی ہیں۔

شریعت کے اس نہج کا تصور تو کیا جا سکتا ہے لیکن اسے وجود میں لانا انسانی قدرت سے سراسر باہر ہے۔ کیونکہ انسان کے پاس حصول علم کا سب سے بڑا ذریعہ حواس خمسہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا انسانی آنکھیں، انسانی کان، انسانی قوت لامسہ، یا انسانی قوت شامہ اپنی صحت و طاقت کے باوجود کوئی ایسا اصول وضع کر سکتی ہے جو زمان و مکان کی تحدیدات سے بے نیاز اور بالاتر ہو؟ تو جواب یقیناً نفی میں ہے کیونکہ ہم اپنے قویٰ سے زیادہ سے زیادہ یہی معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم اس وقت کہاں ہیں۔ اس لئے ہماری یہ تمام طاقتیں زمان و مکان کی سرحد عبور کرنے کے بجائے اس کے صرف ایک حصہ تک محدود رہتی ہیں۔ یہی ہماری عقل کا حال ہے کہ اس کا تمام تر فریضہ اور کام ان حواس کی شہادتوں پر فیصلہ دینا ہے۔ اس لئے ہم اپنی عقل سے بھی (جب اس کے ساتھ وحی الٰہی کی تنویرات شامل نہ ہوں) تو صرف زندگی کی کسور و اجزاء کا ادراک کر سکتے ہیں۔ زندگی کا من حیث المجموع تصور نہیں کر سکتے، اس لئے ہمارا کوئی فیصلہ پوری زندگی پر بلا تحدید صادق نہیں آسکتا۔ چہ جائیکہ زندگی کی سرحدوں سے گزر کر آخرت کی دنیا میں کارآمد ہو، یا انفرادی سطح سے بلند ہو کر عالمی سطح پر کارگر ہو۔

یہاں سے انسانی قانون اور شریعت کے بنیادی فروق و امتیازات نہایت واضح ہو جاتے ہیں۔ کہ اول الذکر انسان کی کمزوری، عاجزی اور بے چارگی کا آئینہ دار ہے تو موخر الذکر قادر مطلق اور علام الغیوب کی کمال قدرت و وسعت علم کا مظہر ہے۔ انسانی قانون سوسائٹی کے وجود کے بعد سوسائٹی کے وقتی تقاضوں کے پیش نظر وجود میں آیا ہے، اس لئے وہ وقتی تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ ہی اپنی حقیقت کھو دیتا ہے۔ یہ وقتی اور ہنگامی چیز ہے اور شریعت دائمی اور ابدی حقیقت کا نام ہے۔ وہ اپنے وجود کے لئے سوسائٹی کے وجود کی مرہون منت نہیں، بلکہ خالق کون و مکان نے اسے اس لئے وجود بخشا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اسی سے سوسائٹی خود وجود پذیر ہو۔ لہٰذا وہ معاشرہ اور جماعت کے وجود پر مقدم بھی ہے اور اس پر حادی بھی۔ اسی لئے یہ انسانی زندگی کے عین مطابق ہے۔ اس کی وحدت کچھ ایسی ہے جیسی خود انسانی وجود کی۔ جس چیز کو ہم انسان کہتے ہیں وہ انسان روح وجسم کے غیر منقسم "سالم" کا نام ہے اس کے کسی کٹے ہوئے حصہ یا جزو کا نام نہیں۔

اسی طرح انسانی زندگی اس کی زندگی کے ایسے مجموعہ کا نام ہے جس میں زندگی کے تمام پہلو سمٹ کر آجاتے ہیں نہ کہ اس کے وہ پہلو جن سے صرف قانون بحث کرتا ہے۔ لہٰذا عملی اور نظریاتی اعتبار سے اس کے لئے ایک ایسا نظام کارآمد اور قابل عمل ہو سکتا ہے جو زندگی کے تمام افعال واعمال کی اس ترتیب کے ساتھ بحث کرے، جیسے وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ نہ کہ اس کی زندگی کے ایسے حصے بخرے کرکے جو ایک دوسرے سے لاتعلق ہوں۔

اس بحث کے بعد اس حقیقت کا سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے کہ انسانی قانون نے انسانی زندگی کو کبھی نہ ختم ہونے والی بے پناہ کشمکشوں کا مجموعہ کیوں بنا دیا ہے۔ ایک طرف جینیت و کلیت ر کے رفیع الشان مگر زندگی سے بالکل بیگانہ ولاتعلق نظریات وتصورات ہیں تو دوسری طرف فریب دل ونگاہ مادی "ایجابات" جو اصول و نظریہ سے یکسر خالی اور حقیقت وعملیت کا دھوکہ ہیں۔ بے چارہ انسان ہے کہ ان دونوں کے درمیان "پنڈولم" کی طرح متحرک ہے لیکن بدقسمتی سے وہ زندگی کے ٹھوس سوالات کا تسلی بخش جواب کہیں نہیں پاتا۔ وہ غالب کے اس شعر کے مصداق نظر آتا ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دیر ہر راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں!

فرائڈ اپنی کتاب لیگل تھیوری میں صحیح کہتا ہے کہ یہ کشاکش ایک غیر منتہی تسلسل کے ساتھ نوع انسانی میں برابر جاری ہے آگے بڑھیئے تو انفرادیت واجتماعیت کے تقاضے ہیں، یہاں بھی ہمارا ماہر قانون انسانی قانون کے اندر توافق کی کوئی صورت نہیں پا سکا۔ ان کے درمیان ایک توازن پیدا کرنا ہمارے وقت کے ماہرین فلسفۂ قانون کے لئے ایک لاینحل مسئلہ بن گیا ہے اور وہ درماندگی وعاجزی کی تصویر نظر آتا ہے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ بھی کہ اس نے بدلتے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے بین الاقوامیت کا ڈھونگ بھی رچا لیا۔ حالانکہ جب وہ بین الاقوامی سطح پر قانون سازی کا تصور بھی دل میں لاتا ہے تو فوراً اس کی مقرر کردہ قانونی بنیادوں کے تمام حلقے "موئے آتش دیدہ" ہو کر رہ جاتا۔ یا پھر ایک قانون بھی معرض وجود میں نہیں آسکتا۔ آج وہ اس حقیقت کے سامنے ششدر و پریشان کھڑا ہے کہ کیا بین الاقوامی قانون کا چلن اقوام کی ذاتی خود مختاری کے پہلو بہ پہلو کسی طرح ممکن ہے؟ اس کا منصفانہ اور غیر جانبدارانہ جواب دینا تو درکنار اس کا سوچنا بھی جوئے شیر کے لانے کے مترادف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان سب سے بڑا سوال قانون کو ثبات و تغیر کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانا ہے۔ تاکہ استحکام کے ساتھ وہ جمود و تعطل سے پاک رہے۔ قانون کے بارے میں مفکرین کی کاوشوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ہمارا ماہر فلسفہ قانون ہیگل کے جدلی عمل ( ) کا گرفتار نظر آتا ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ انسانی قانون معاشرہ پر قوت حاکمہ ہونے کے بجائے معاشرہ کے ہاتھ میں ایک کھلونا ثابت ہوا ہے۔ اور موم کی ناک سے کہیں زیادہ لچک دار اور غیر مستحکم۔

اسلامی شریعت میں ان سب سوالات کا شافی جواب موجود ہے۔ جن کی طرف ضمناً اشارہ کیا گیا، اس وقت ہم صرف ٹھہراؤ و تبدل کے تقاضوں سے شریعت اسلام کے ہم آہنگ ہونے کی بحث نسبتاً تفصیل سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ موجودہ قانون کی بے ہنگم اور بے تکی لچک نے شریعت کے استحکام و ثبات کو تعطل و جمود کا نام دے دیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ کہ شریعت اسلام میں ان دونوں تقاضوں کے مابین ایک بے مثال اور واقعی توازن کی کیفیت کارفرما ہے۔ جس نے اسے زمان و مکان کے اثرات سے یکسر بالاتر بنا دیا۔ اور جس کی طرف مفکرین اور ماہرین قانون کو اخلاص کے ساتھ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا اسلام نے سب سے پہلے قانون کے مستحکم ارتقاء کے لئے اساسی اور بنیادی اصل الاصول مقرر فرمائے ہیں جنہیں وہ "دین" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اور ان اصولوں کے متعلق اس نے یہ تصور دیا ہے کہ یہ ابتدائی ہیں ارتقائی نہیں اور ان کے افہام و تفہیم کا تعلق پہلے وجدان سے ہے، اور پھر ذہن و شعور سے۔ اس لئے کہ یہ فطرت انسانی کے مترادف اور اسی سے ہم آہنگ ہیں، اسی لئے فرمایا:

فطرت اللہ التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق اللہ ذلک

الدین القیم۔

ان اساسی اصولوں پر شریعت و منہاج کا ارتقاء ہوا، پھر شریعت کی آخری اور ارتقائی شکل کو ایسی بنیادی حقیقتوں پر ترتیب دیا گیا، جو ترتیب بجائے خود اعجازی کیفیت کی حامل ہے۔ یعنی بذریعہ وحی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل دین و شریعت کے اس بنیادی مجموعہ کو کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کا نام دیا گیا۔ یہ اسلامی شریعت کا سرچشمۂ اولین ہے! اسلامی قانون کا اصل الاصول اور ضابطۂ مستحکم ہے، اس میں عقائد کا بیان تفصیل کے ساتھ ہے اور عبادات و معاملات کو ایک حد تک اجمال سے پیش کیا گیا۔ اس لئے اسے شریعت کے دستور کی حیثیت حاصل ہے۔

اس اجمالی قانون شریعت کی تفصیل ایک ایسی شخصیت کی معرفت عطا ہوئی جو اپنی کمال صفائی فطرت کے سبب نہ صرف ان حقائق تک براہ راست رسائی رکھتا ہے، بلکہ اس کی پوری پوری ترجمانی کر سکتا ہے، جس مقام تک آپ کے بعد کسی انسان کی رسائی ممکن ہی نہیں۔ اس "مظہر حقیقت الحقائق" اور "ترجمان منشا ایزدی" کی تفسیر و تشریح کو قرآن کے بعد ہی لازوال اور بنیادی حیثیت حاصل ہے جو خود قرآن کو حاصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن یہاں ایک بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ آج جب ہم عہد رسالت سے دور ہیں اور ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ اور بالواسطہ استفادہ ممکن نہیں، البتہ اس منبع علم وحکمت تک رسائی کے لئے سنت ہی ہماری رہبر ہے۔ تو اس لئے شریعت کے احکام میں روایت کے ثبوت وصحت پر ان کا مدار ٹھہرا۔ اس سلسلہ میں ہمارے محدثین کرام نے بے نظیر خدمات پیش کی ہیں اور قابل اعتماد مواد چھوڑا ہے۔

شریعت اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی روشنی وہدایت میں زندگی گزارنے والوں کے لئے ضمانت دی گئی ہے کہ "لا تجتمع امتی علی الضلال" کہ اس امت مسلمہ کا متفقہ فیصلہ بھی فطرت انسانی اور اصول دینی اور ارشاد ربانی کے ساتھ ایک گہرا تعلق وربط رکھتا ہے اس لئے اس کو بھی وہی حیثیت ملے گی جو قرآن وسنت کو ہے۔

ان تین بنیادوں پر یعنی قرآن، حدیث اور اجماع، زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں میں جب بھی تفصیلی احکامات وضع کئے جائیں گے، اسلام کہتا ہے کہ وہ اپنے وقت میں رشد وہدایت ہی ہوں گے۔ گویا اول الذکر کو مرکزو محور کی حیثیت حاصل ہے۔ اور قیاس واستنباط کو اس کے تابع کی۔ اول الذکر استحکام وثبات کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں تو موخر الذکر زمانہ کے گوناگوں تغیرات وتبدل کے نت نئے تقاضوں کا ایک ایسا جواب ہے جو صداقت حقیقت کے دامن سے وابستہ رہ کر حالات کے اختلافات کا ساتھ دیتا ہے۔ اس اعتبار سے قیاس کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔

اسلامی اصول وفلسفۂ شریعت کا بیشتر حصہ اسی قیاس واجتہاد پر مشتمل ہے کہ اسلامی شریعت کے بنیادی مآخذ ثلاثہ سے استنباط احکام تفصیلیہ کا کیا طریقہ عمل ہے۔ اس مقصد کے لئے اسلام کے ائمہ مجتہدین اور ان کے تربیت یافتگان نے جو اصول پیش کئے ہیں وہ فن قانون سازی کے باب میں آج بھی روشنی کے مینار کا کام دے رہے ہیں۔

اسلامی شریعت کے استحکام اور ثبات کے باوجود زمانہ کے بدلے ہوئے حالات اور تقاضوں کا ساتھ دینے کی کیفیت کو واضح کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وضع احکام کی چند ضمنی بنیادوں کا بھی اجمالی تعارف کرادیا جائے، تاکہ شریعت کی لچک کا صحیح اندازہ آسانی سے ہوسکے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اسلامی اصول قانون میں انسانوں کے معاشرتی ومعاشی اجتماعی وانفرادی مصالح کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔

یہ مآخذ تین ہیں احناف کا استحسان، شوافع کا استصلاح اور مالکی حضرات۔ عرف احناف کہتے ہیں کہ کسی معاملہ میں "مصلحت عباد" کے پیش نظر قیاس تبادر کو چھوڑ کر دقیق اور غیر واضح قیاس پر فیصلہ صادر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اجیر مشترک کے ضیاع وتلف کو محض معاشرتی مصلحت کے پیش نظر امین کے تلف پر قیاس نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس میں تاوان کو واجب قرار دیا گیا، الا یہ کہ کوئی ایسی وجہ تلف رونما ہوئی ہو جس پر مقدرت نہ ہو۔

مالکی حضرات اس قیاس خفی کو عرف غالب یا مصلحت مرجحہ یا اندیشہ حرج کا نام دیتے ہیں اور شوافع اسے "بناء احکام فقہیہ علی مقتضی المصالح المرسلۃ" کا عنوان دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں ان حضرات کا موقف قرآن مجید کی ان آیات کے مطمع نظر ہے۔

" یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔"

" وما جعل اللہ علیکم فی الدین من حرج "

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان :

" لا ضرر ولا ضرار "

اس مختصر بیان سے صرف یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ اسلامی اصول و فلسفۂ شریعت میں موجودہ حالات اور تقاضوں بلکہ ہر زمانہ کے حالات اور تقاضوں کا کس حد تک خیال رکھا گیا۔ جب کہ اور عصری قانون کے مقابلہ میں زمانہ میں بدلنے کی ضرورت ہوئی۔ جس کے سبب اسلامی قانون شریعت ہر زمانہ میں قابل عمل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہم میں سے بعض حضرات نے شریعت اسلام کے موجودہ حالات میں ناقابل عمل ہونے کا مفروضہ اس لئے نہیں گڑھ لیا کہ انہیں موجودہ حالات اور ان کی حقیقت اور شریعت اسلام اور اسکی نوعیت کا کما حقہ علم ہے اور انہوں نے ان دونوں میں تطابق کی کوئی صورت نہیں پائی۔ بلکہ ان حضرات نے یہ مفروضہ محض اس لئے قائم کرلیا ہے کہ ان کے ارد گرد مغربی افکار کے ایک غیر مربوط انبار میں آئے، ان افکار و نظریات کے ناقابل عمل ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا رہتا ہے، محض اسی بنا پر انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کل کی ہر فکر آج کے لئے ناقابل عمل ہے۔ حالانکہ :

چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا۔

کہاں مغربی افکار اور ان کی بے حقیقتی اور کہاں نور دین اسلام و شریعت مصطفوی اور اس کی لازوال اور ابدی نوعیت و حقیقت، ان دونوں میں کوئی علت مشترکہ ہی نہیں کہ ایک دوسرے پر قیاس کیا جا سکے۔

مفکرین کے اس اجتماع میں اس حقیقت کو بھی سامنے لانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلامی شریعت کے قوانین و ضوابط کا مقصد محض دنیاوی نقطۂ نظر سے فرد کی اصلاح نہیں۔ بلکہ اس کی ایک ایسی اصلاح بھی ہے جس سے آخرت کی زندگی بھی خود بخود اور ساتھ ساتھ سنورتی چلی جائے۔ بلکہ بہت سے موقعوں پر اس کے قوانین میں اخروی صلاح کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو پیش نظر نہیں رکھیں گے تو یقیناً ہمارے لئے اسلامی شریعت کا مزاج سمجھنا ناممکن ہوگا۔

پھر قانون شریعت کے ساتھ تقدس و احترام کا تصور لابدی ہے، یوں تو کوئی قانون تقدس کی بنیادوں کے بغیر اپنی قیمت ثابت نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر ہم شریعت اسلام کا تقدس اذہان سے نکال دیں گے، اور کسی بھی صورت حال میں اس کے تجویز کردہ ذرائع ثبوت و استشہاد کو در خور اعتنا نہ لائیں گے، تو اس کے فرمودہ برکات و منافع کا حصول ہمارے لئے ممکن نہ ہوگا۔

آخر میں یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جس طرح آب زمزم اور شراب کے باہمی اختلاط و امتزاج سے شراب کی حرمت و خباثت بدستور رہتی اور آب زمزم کی برکت مفقود۔ تو بعینہ اس طرح شریعت اسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے کسی غیر شرعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون کے ساتھ امتزاج قبول نہیں کر سکتی، شریعت کا خود اپنا مزاج ہے، جو ہر زمانہ کے تقاضا کو پورا کر سکتا ہے، جو دور حاضر کے علوم، فکر اور ضروریات کے تحت قانون کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کو مرتب کرنے والی جماعت کا انتخاب اس انداز سے کرنا ہوگا کہ اس میں اسلامی مزاج شریعت کے ماہر مفکرین کے ساتھ دور حاضر کے رائج قوانین کے ماہرین بھی شامل ہوں، اور خلوص نیت کے ساتھ ہم اسلامی نکتہ نگاہ کی تلاش میں مصروف ہوں۔

میری درخواست ہے کہ ہائی کورٹ کے صد سالہ جشن کے موقع پر ہمارے فاضل سربراہان عدل وانصاف اس بات کی طرف توجہ کریں گے کہ وہ شریعت اسلام کی برکتوں سے ملک کو مالا مال کر سکیں۔ کیونکہ اس کام کو آپ حضرات ہی بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں، ہاں آپ کو ملک کے جید علماء کرام سے اس سلسلہ میں استفادہ کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ حضرات شریعت کے مزاج کو ہماری نسبت زیادہ سمجھتے ہیں، اگرچہ اپنے جمود کے سبب یہ حالات پر انطباق نہیں کر سکتے۔

© rasailojaraid.com